(غلام گردش)

برابری پارٹی

جواد احمد کے ساتھ طویل عرصے سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ 1980 میں جی او آر تھری، شادمان سے اسے دیکھ رہا ہوں۔ جوان طالبعلم، موٹر سائیکل پر اکثر نظر آتا تھا۔ والد محترم، شعبہ تعلیم سے منسلک تھے۔ انتہائی مہذب آدمی۔ جواد سے اس وقت شناسائی نہیں تھی۔ پھر معلوم ہوا کہ اس نوجوان نے موسیقی جیسے مشکل ترین فن کو سیکھنا شروع کر دیا ہے۔ سنگر بن گیا۔ ذہن میں کسی قسم کا کوئی خاص تاثر نہیں اُبھرا۔ اسلیے کہ میں، کے ایل سہگل، بیگم اختر فیض آبادی اور بڑے غلام علی خان کی آواز میں مقید ہوں۔ آج سے ٹھیک دس بارہ برس پہلے، میرے انتہائی قریبی دوست فاروق علوی نے بڑی محبت سے جواد کا ذکر کیا۔ ایک دو بار ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ مگر پھر وہی روزگار کے عذاب کی بھٹی میں جلتے جلتے وقت نے بے ترتیب کر دیا۔ 2018 کے الیکشن میں، لاہور شہر کے متعدد رکشوں کے پیچھے انتہائی تخلیقی اور منفرد جملے لکھے نظر آتے تھے۔ ان میں جواد کی تصویر اور برابری پارٹی لکھا ہوتا تھا۔ دراصل وہ لاہور میں انتہائی اہم لوگوں کے خلاف الیکشن لڑ رہا تھا۔ ہاں، ایک چیز جس نے مجھے بھرپور طریقے سے متوجہ کیا، وہ رکشوں پر لکھے ہوئے فقرے تھے۔ جیسے ''جاگیرداری نظام کو ختم ہونا چاہیے''۔ ''موروثی سیاست سے پاکستان کو نقصان پہنچا ہے''۔ مگر الیکشن میں جواد احمد کے ساتھ وہی ہوا، جو ہمارے جیسے نیم مردہ معاشروں کا خاصہ ہے۔ خیر یہ سب کچھ ذہن سے فراموش ہو گیا۔

کچھ دن پہلے، ایک ٹی وی چینل کے پروگرام کے دوران، میں اور جواد احمد، دونوں شریک گفتگو تھے۔ اینکر ایک انتہائی منجھے ہوئے صحافی، برادرم رضوان رضی تھے۔ انہوں نے جواد سے انتہائی مشکل موضوع پر سوال کیا۔ جب جواد احمد نے جواب دینا شروع کیا، تو مجھے احساس ہوا کہ یہ تو بہت سنجیدہ سوچ رکھنے والا انسان بول رہا ہے۔ اس جواد احمد سے میری پہلے کوئی ملاقات نہیں تھی۔ ایسے لگا کہ یہ نوجوان، سوچ کی تطہیر کے اس مشکل عمل سے گزر رہا ہے، جو کوئلہ کو بیش قیمت ہیرا بنا دیتی ہے۔ واپسی پر میں پروگرام کے متعلق سوچ رہا تھا کہ ذہن میں آیا کہ اس نئے جواد سے ملاقات ہونی چاہیے۔ نتیجہ یہ ہوا دو دن پہلے جواد سے ایک نشست ہوئی۔ گمان تھا کہ تیس چالیس منٹ میں نہ میرے پاس کچھ پوچھنے کو رہیگا اور نہ وہ کوئی بات کر پائیگا۔ مگر ساڑھے تین گھنٹے گزر گئے۔ نئے زاویے ذہن میں جگہ بناتے گئے۔ صرف ایک خیال بار بار دماغ میں گھوم رہا تھا کہ یہ کوئی اور انسان ہے۔ جسکا پرانے جواد سے کوئی تعلق نہیں۔

اس نشست کو انٹرویو کہنا زیادتی ہوگی۔ اس میں نئی نسل کے رجہانات اور موجودہ حالات کی اَبتری کی وہ نشاندہی ہے، جسے لوگ سوچتے تو ضرور ہیں، مگر اسے بیان کرنے کی ہمت نہیں کرتے۔ برابری پارٹی کیا ہے، بلکہ کیوں ہے، اسکی سیاسی اہمیت کیا ہے۔ ہر انسان کی طرح یہ سوال و جواب کا سلسلہ تہذیب کے دائرے میں ہوتے رہے۔ جواد بتانے لگا۔ 2013 کے الیکشن سے تھوڑا پہلے، عمران خان نے مجھے دو بار، تحریک انصاف میں شامل ہونے کیلئے کہا۔ مگر ذہنی طور پر خان صاحب کے فلسفہ سیاست سے متفق نہ کر پایا۔ بات بنی نہیں۔ اسی دوران پی ایم ایل کے رہنما، احسن اقبال، گھر آئے۔ والد محترم کی موجودگی میں، ن لیگ میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ انکے جانے کے بعد کافی دیر سوچتا رہا کہ کیا ن لیگ کی سیاسی اساس سے اتفاق کرتا ہوں۔ نفی کے جواب کے بعد، اس جماعت میں نہ شامل ہونے کا فیصلہ

کرلیا۔ڈاکٹرلعل خان کو جب معلوم ہوا کہ دو بڑی سیاسی پارٹیوں میں شامل نہیں ہوا،تو انکی ایما پر پیپلز پارٹی کے ایک مرکزی رہنما کے بھائی، ذوالفقار گوندل میرے پاس آئے اور کہا کہ میں 2013 کے الیکشن میں لاہور میں پیپلز پارٹی کے پلیٹ فارم سے حصہ لوں۔انکو بھی صاف انکار کردیا۔اس نفی نے مجھ میں یہ ذہنی طاقت پیدا کی، کہ کیوں نہ ایک نئی سیاسی پارٹی بنائی جائے، جو اس ملک کے پسے ہوئے عوام کی طبقاتی نمائندگی کر پائے۔چنانچہ چند لوگوں کے مشورے کے بعد،''برابری پارٹی'' وجود میں آئی۔پل جھپکتے ہی 2018 کا الیکشن آ گیا۔میں نے تین بڑی سیاسی جماعتوں کے قائدین کے خلاف الیکشن لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔لاہور سے عمران خان اور شہباز شریف اور کراچی این اے 246 سے بلاول زرداری کے خلاف۔اندازہ تھا کہ ان لوگوں کو ہرانا ناممکن ہے۔مگر ثابت صرف ایک نکتہ کرنا تھا کہ دیوتاؤں کے خلاف، چناؤ لڑا جاسکتا ہے۔انکی سیاسی سوچ کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ان سے ڈرنے یا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔بہرحال یہ نکتہ بالکل منفرد تھا اور اسکی سچائی کو سمجھنا چاہتا تھا۔برابری پارٹی کی تنظیم کے متعلق پوچھا۔تو جواد کا جواب کم از کم میرے لیے حیران کن تھا۔ہماری جماعت میں ایک سینٹرل کمیٹی ہے۔جسے''جمہوری مرکزیت'' کہا جاسکتا ہے۔اس میں نو سے لیکر پنتیس لوگ ہیں۔اسکے بعد ہر صوبے کے لیے آرگنائزر ہیں۔پھر شہر اور یونین کونسل تک کے کوارڈ سینٹر موجود ہیں۔یہ ہر یونین کونسل میں تو موجود نہیں۔پر کوشش ہے کہ تنظیمی اعتبار سے اسے نچلی ترین سطح تک لیجایا جائے۔

میرا خیال تھا کہ برابری پارٹی میں بہت کم لوگ ہونگے۔مگر جواد کے مطابق، متوسط طبقے کے حد درجہ زیادہ لوگ اسکی سیاسی جماعت میں شامل ہورہے ہیں۔ہاں، اس نے تسلیم کیا کہ غریب لوگوں تک اسکی رسائی اس طرح نہیں ہے، جس طرح ہونی چاہیے۔دراصل جواد کے ذہن میں طبقاتی جدوجہد کا خاکہ ہے۔وہ ایک ایسے سماج کا خواب دیکھ رہا ہے، جو اسلام کے انقلابی فلسفے سے ہم آہنگ ہو۔وہی جو رسول کریمؐ نے آخری خطبے میں بیان فرمایا تھا۔پہلے مجھے گمان تھا کہ وہ طبقاتی لحاظ سے سوشل ازم کی طرف مائل ہوگا۔مگر نہیں، وہ دین اسلام کی انقلابی روح کے طابع، طبقاتی جدوجہد کا قائل نظر آیا۔موجودہ سیاسی نظام کے متعلق اس نے''باطل'' کا لفظ استعمال کیا۔کہتا ہے کہ یہ موجودہ نظام صرف اور صرف ایک فیصد لوگوں کیلئے ترتیب دیا گیا ہے۔اسکی ہمارے جیسے غریب ملک میں کوئی جگہ نہیں ہونی چاہیے۔باطل کا لفظ کافی ترش ہے۔مگر بہرحال یہ اسکا سیاسی حق ہے کہ وہ اس نامحترم نظام کو کس زاویے سے دیکھتا ہے۔اسکے بقول، موجودہ سیاسی نظام میں تین طرح کے لوگ موجود ہیں۔ایک تو Electables جنکی ہر سیاسی جماعت کو ضرورت ہے۔دوسرے، وہ موقع پرست لوگ جو ہر سیاسی یا غیر سیاسی وجود کا حصہ رہے ہیں اور تیسرا، وہ خوشامدی طبقہ، جو اپنی رطب السانی کی بدولت ہر حکمران کی کمزوری بن جاتا ہے۔جواد کے بقول، اگر پیپلز پارٹی اور ن لیگ کی پالیسیاں ناقص تھیں، تو اس خلا کو تحریک انصاف نے کامیابی سے پُر نہیں کیا۔نمک کی کان میں، خان صاحب بھی نمک ہوگئے۔انکے اردگرد بھی وہی روایتی ٹولہ چھا گیا جو ماضی کے حکمران کے اردگرد رہا ہے۔اور انکے سیاسی زوال کا باعث بنا ہے۔جواد کے نزدیک خان صاحب، اجتماعی بھلائی کی بجائے، ذاتی نرگسیت کا شکار ہیں۔انکے نزدیک، سب سے پہلے انکی اپنی شخصی نمائش ہے۔انکی فکر، نظام کو تبدیل کرنے والی نہیں، بلکہ اپنے آپ کو ایک ایسا انسانی دیوتا پیش کرنے کی ہے، جو پل بھر میں پورے معاشرے کو ہر لحاظ سے تبدیل کرسکتا ہے۔جواد کے نزدیک خان صاحب نے طاقت میں

آنے کے بعد اپنی تمام اخلاقی اور سماجی برتری کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ جو اصل میں انکی فکری طاقت تھی۔ نوجوان نسل، ذہنی طور پر خان صاحب سے متاثر ضرور ہے، مگر یہ تھوڑے عرصے کے بعد مایوس ہو کر بدل جائیگی۔ نئی نسل کی رہنمائی کیلئے، کوئی بھی پلیٹ فارم موجود نہیں ہے۔ ہاں، برابری پارٹی میں یہ استطاعت ہے کہ وہ دھیرے دھیرے، ان نوجوانوں کی آواز بن سکتی ہے۔

ہاں ایک انتہائی اہم بات جو جواد نے مجھے بار بار بتائی۔ کہ وہ تمام سیاسی عناصر جو ملک کو نسل اور قوم کی بنیاد پر تقسیم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان عناصر سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اشارہ، بلوچستان میں قوم پرستوں اور پشتون ایریا میں چند لوگوں کی طرف تھا۔ اسکے نزدیک یہ تمام علیحدگی پسند سیاسی یا غیر سیاسی جتھے، دراصل ملک میں مزید تقسیم کا باعث بن رہے ہیں، جسکا کوئی جواز نہیں ہے۔ جمہوری جدوجہد ہی اصل راستہ ہے جس سے لوگوں کی اَبتر حالت کو بدلا جا سکتا ہے۔ کسی خونی انقلاب کی اس مٹی میں نمو نہیں ہونی چاہیے۔ تبدیلی کا عمل بھی بتدریج ہونا چاہیے۔ بہر حال یہ نکتہ اسلیے اہم ہے کہ آجکل لبرل طبقہ، بلوچستان اور پشتون علاقوں کی علیحدگی پسند سوچ کو بغیر سوچے سمجھے اپنا رہا ہے۔ اگر آپ سوشل میڈیا پر نظر دوڑائیں، تو آپکو اس طبقہ کی سوچ فوراً محسوس ہو جائیگی۔ ان میں سے اکثر، پاکستان میں موجود نہیں ہیں۔ لبرل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن لندن، آئرلینڈ اور ٹورینٹو میں بیٹھ کر پاکستان کی مشکلات میں اضافہ کرنا بہر حال ایک مہذب رویہ نہیں۔ اگر آپکو کسی بھی حکومتی سوچ سے اختلاف ہے، تو آپ اپنے ملک کے سیاسی، سماجی اور مذہبی ڈھانچہ میں رہ کر ایک جدوجہد کریں۔ جس سے پسماندہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہو پائے۔ بہر حال جواد نے یہ نکتہ بارہا تواتر سے کہا کہ اسکی سیاسی سوچ علیحدگی پسندوں سے حد درجہ مختلف ہے۔

ایک سوال پر کہ بیس سال بعد، یہ نوزائیدہ سیاسی جماعت کہاں پر کھڑی ہوگی۔ جواد کا کہنا تھا کہ شائد دس پندرہ سال کے اندر ہی ہمارے معاشرے میں طبقاتی جدوجہد کا عنصر، اس درجہ مضبوط ہو جائے کہ برابری پارٹی، قومی دھارے میں ایک مضبوط فریق بنکر سامنے آسکتی ہے۔ لازم ہے کہ اس نشست کی تمام باتیں صرف ایک کالم میں محدود نہیں کی جا سکتی۔ پھر دوبارہ بھی بات ہوتی رہیگی۔ یہ تمام فکر، ایک ایسے نوجوان کی ہے، جو حساس ذہن کا مالک ہے۔ جو سنگر بھی ہے۔ فلم ساز بھی ہے۔ سوشل ایکٹویسٹ بھی ہے اور ذہن کی زرخیزی کا مالک بھی ہے۔ اسکے خیالات سے سو فیصد اختلاف کر سکتے ہیں جو آپکا بھرپور حق ہے۔ مگر اسکی باتوں میں سچائی کی خوشبو ضرور موجود ہے!

راؤ منظر حیات